

اسلامی تحریکات اور فکری ترجیحات

ڈاکٹر عبید اللہ فہد فلاحی °

تحریکِ اسلامی نام ہے دین کے پورے نظامِ فکر و عمل کی طرف دعوت دینے اور اس کو قائم کرنے کے لیے اجتماعی جدوجہد کرنے کا۔ یہ جزو کی نہیں، کل کی دعوت دیتی ہے۔ کسی مخصوص تعلیم سے نہیں، شریعت کی تمام تعلیمات سے بحث کرتی ہے۔ کتاب الہی کی چند آیات کا انتخاب نہیں کرتی، بلکہ پورے قرآن کو مرکزِ فکر و عمل بناتی ہے۔ معاشرے کی فلاح کے لیے کی جانے والی مختلف اسلامی خدمات، دینی تعلیمی اداروں کا قیام، اسلامی عقائد و عبادات کی تعلیم کے لیے دینی مجلسوں اور اصلاحی جلسوں کا انعقاد، بے جا رسوم و روایات سے مسلمانوں کو بچانے کے لیے اصلاحِ معاشرہ کے نام سے ہونے والی جدوجہد، مسلمانوں کے مفادات کے تحفظ کی کوششیں، فلاحی و رفاہی انجمنوں کی تشکیل کی وہ حمایت بھی کرتی ہے، اور خود بھی یہ خدمات انجام دیتی ہے۔ لیکن انھی خدمات اور مصروفیات کو اپنی توانائیوں اور پروگراموں کا اصل مقصد نہیں بتاتی۔

بلاشبہ یہ مبارک اور مسعود خدمات بڑی قابلِ قدر ہیں اور ہر طرح کی تائید و تقویت کی مستحق ہیں، لیکن اقدام کو بقا سے، تحریک کو تحفظ سے، اور جدید کو قدیم سے ممتاز کیے بغیر ہم تحریکِ اسلامی کی صحیح تعریف نہیں کر سکتے اور نہ اس کی مکاحقہ شناخت ہو سکتی ہے۔^۱

دنیا کی تمام اسلامی تحریکوں نے مروجہ دین داری کو احیاء دین کے لیے ناکافی قرار دیا ہے۔ انھوں نے اسلام کو عقائد و عبادات سے آگے بڑھ کر خاندان و معاشرت، سیاست و تہذیب اور معاشرہ و ریاست کے تمام میدانوں میں متحرک اور جاوداں دیکھنے کی آرزو ظاہر کی ہے اور اس کے مطابق نقشہ کار، حکمت عملی اور منصوبہ سازی کو اپنی پالیسی و پروگرام میں جگہ دی ہے۔

° پروفیسر شعبہ اسلامیات، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

تحریک اسلامی کے ایک کارکن کو دعوت اور اقامت دین کے فریضے کی ادائی میں ایک داعی کا مزاج تشکیل دینا پڑتا ہے۔ داعی کے مزاج سے مراد، اخوان المسلمون مصر کے رہنما بھی الخولی کے الفاظ میں یہ ہے کہ وہ درج ذیل ہتھیاروں سے مسلح ہو:

- حقیقت پسندانہ عقلیت، جو محض نظریاتی نہ ہو، بلکہ محسوس و مشاہدہ ہوا اور عمل سے ہم آہنگ ہو۔
- روحانیت، جو مادیت سے کارکن کو بلند کر دے۔ یہ روحانیت معاشرتی ہو، رہبانیت کی طرف مائل نہ کرتی ہو، نہ اسباب و وسائل کو چھوڑنے کی دعوت دیتی ہو۔
- ایجابی فطرت، جو اقدام و عمل پر داعی کو آمادہ کرے اور منفی ذہنیت سے محفوظ رکھے۔^۲

’حقیقت پسندی‘ کی تشریح کرتے ہوئے ہی الخولی کہتے ہیں کہ: قرآن نے جو اسلوب اختیار کیا ہے، اس میں فکر و فلسفہ بھی ہے اور محسوس و مشاہدہ حقائق کا ادراک بھی۔ کچھ لوگ اپنے افکار و نظریات خالص عقلی و فکری انداز میں پیش کرتے ہیں، علت و معلول، اسباب و مسببات کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتے ہیں، فکر و نظر کی گہرائیوں میں اتر کر جزئیات و کلیات اور مختلف مفروضات و حقائق کی چھان بین کر کے انھیں عوام کے سامنے پیش کر دیتے ہیں اور بس۔ اس طریقہ کار سے دل کے تار چھیڑے جاسکتے ہیں نہ دلوں اور دماغوں میں کوئی ہلچل پیدا کی جاسکتی ہے۔ سچا داعی وہ ہے جو عملی زندگی سے بحث کرتا ہے اور واقعات کی دنیا کو موضوع بناتا ہے۔^۳

’معاشرتی روحانیت‘ سے استاد بھی الخولی روح اور مادہ کا حسین اور متوازن اجتماع‘ مراد لیتے ہیں۔ کیوں کہ انسان روح اور مادہ دونوں سے مرکب ہے اور دونوں کا اپنا نظام اور اپنے تقاضے اور مطالبات ہیں۔ اسے روح اور مادہ دونوں کے حقوق حکمت، نظم اور سلیقہ سے ادا کرنا ہے۔

’معاشرتی روحانیت‘ سے متصف شخص دونوں زندگیاں جیتا ہے۔ اس کی پرواز دونوں دنیاؤں میں رہتی ہے۔ اس کا جسم زمین پر ہوتا ہے، لیکن حقیقت آسمان پر رہتی ہے۔ اعضاء و جوارح اہل دنیا کی طرح کام کرتے ہیں، لیکن روحانی صلاحیتیں عارفین حق کی طرح کسی اور ہی مقصد کے لیے وقف ہوتی ہیں۔ وہ اس دنیا میں رہتے ہوئے بھی دنیا سے بے گانہ ہوتا ہے: ^۴

الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن مثلاً کی اذال اور مجاہد کی اذال اور پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں کرگس کا جہاں اور ہے، شاہین کا جہاں اور

’ایجابی فطرت اور عملی مزاج‘ سے مراد یہ ہے کہ انسان اللہ سے اپنا تعلق جوڑ کر خاموش نہ بیٹھ جائے، ورنہ یہ سلبی روحانیت ہوگی، بلکہ تعلق باللہ اسے اقدام پر، ایجابی منصوبہ بندی پر اور تنقید و عمل پر آمادہ کرے۔ دوسرے لفظوں میں مصنف اسے ’خدائی سیر‘ کا نام دیتے ہیں، جس کی دو واضح خصوصیات ہیں:

- ۱- ایمان وہ بھڑکتا ہوا انگارہ ہے جس سے داعی قوت عمل اور غیرت حق اکتساب کرتا ہے۔
- ۲- یہ ایک قوت محرکہ ہے جس کی وجہ سے داعی یہ احساس رکھتا ہے کہ تنقید اور عمل کی طرف بڑھنا ناگزیر ہے۔^۵

دعوت و اقامت دین کی ان تحریکوں کی جدوجہد علمی و فکری سطح پر بھی ہوتی ہے اور عمل و اقدام کے میدانوں میں بھی۔ ان دونوں کے درمیان توازن قائم رکھنا ایک نازک کام ہے۔ بسا اوقات ملک و ملت کے مسائل اور فوری بحرانوں کو حل کرنے میں تحریک اس قدر الجھ جاتی ہے کہ علمی و فکری اہداف نظروں سے اوجھل ہونے لگتے ہیں، اور کبھی اس کے علمی الرغم پوری تحریک علمی منصوبہ بندی میں اس طرح جت جاتی ہے کہ عملی حقائق اور زمینی واقعات بھی صرف نظر ہو جاتے ہیں۔ توازن اور اعتدال کو قائم رکھتے ہوئے علمی و فکری منصوبہ بندی کا تقاضا ہے کہ:

- ۱- تحریک کے کارکن مطالعے کو اپنی روزمرہ کی عادت بنائیں۔ سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ (۱۹۰۳ء-۱۹۷۹ء)، انجمنیر مالک بن نبی (۱۹۰۳ء-۱۹۷۳ء)، شہید مرتضیٰ مطہری (۱۹۱۹ء-۱۹۷۹ء) کے علاوہ تحریک سے باہر کے علما و فضلا کی تحریروں کا مطالعہ قلب و ذہن کو وسعت بھی بخشنے کا اور امت مسلمہ سے قریب بھی کرے گا۔
- ۲- تحریک اسلامی کے سنجیدہ اہل قلم اور ارباب تحقیق تحریک سے باہر کے علما و فضلا، ارباب علم و تحقیق سے رابطہ رکھیں۔ انھیں تحریک کی علمی و فکری منصوبہ بندی میں شامل کریں۔ ان کے تعاون سے ایسا صالح لٹریچر تیار کریں جو مسلمانوں کی نشاتِ ثانیہ کے لیے ضروری ہے۔ ارباب قلم کی ایک کھکشاں تیار کرنے کے لیے یہ کام مستقل منصوبہ بندی کا متقاضی ہے۔
- ۳- دینی مدارس کے علما اور عصری جامعات کے فضلا کو ایک ساتھ دعوت دین کے کار سے جوڑنا ناگزیر ہو گیا ہے۔ دونوں گروہوں کے درمیان بڑھتی ہوئی خلیج نے امت کو دو متوازی

دھاروں میں تقسیم کر دیا ہے اور اس کے نقصانات فکری انتہا پسندی کی شکل میں ظاہر ہو رہے ہیں۔^۱ تحریک اسلامی ان دو متوازی دھاروں کو خدمت دین کے مقصد سے قریب کر دے تو امت کے بہت سے فکری بحرانوں پر قابو پایا جاسکتا ہے۔

معاصر تعبیر و تشریح کی ضرورت

’مابعد مودودی‘ کی اصطلاح بعض دانشوروں نے یہ ثابت کرنے کے لیے استعمال کی کہ مولانا مودودیؒ کے افکار اب بدلتے حالات کا ساتھ نہیں دیتے۔ یہ سید مودودیؒ کی تحریروں کے ناقص فہم کا ثمرہ ہے، یا ان کے مقام و مرتبے کے ساتھ نا انصافی کرنے کی جارحانہ ذہنیت کی عکاسی ہے۔ الجامعہ الاسلامیہ شانتاپورم کیرالہ میں اسٹوڈنٹس اسلامک آرگنائزیشن آف انڈیا کی اسلامک اکیڈمک کانفرنس (۱۳-۱۵ جولائی ۲۰۱۲ء) میں مضمون نگار نے ’سید مودودیؒ کا مطالعہ - معاصر دور میں‘ کے موضوع پر ایک بحث پیش کی۔ سید مودودیؒ نے احیائے اسلام کے لیے دستوری اور جمہوری جدوجہد کی جو اسکیم تیار کی تھی، وہ گفتگو کا خاص نکتہ تھی۔ اس کی افادیت آج پہلے سے زیادہ محسوس ہوتی ہے۔^۲ بلاشبہ سید مودودیؒ نے جن حالات میں تحریک اسلامی کی عملی جدوجہد کا نظریہ پیش کیا تھا، وہ اب کافی بدل چکے ہیں۔ بدلتے ہوئے حالات میں دین کی تعبیر و تشریح کے لیے متعدد نئے افق اور چیلنج سامنے آچکے ہیں۔ یہ تعبیر و تشریح سید مودودیؒ کے فکری توسیع ہوگی، تغلیط نہیں۔ سید سعادت اللہ حسینی نے تحریک اسلامی ہند کے سیاق و سباق میں دعوت فکری ہے کہ جماعت اسلامی کے مصنفین ’مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش‘ کی سیاسی بحث کو کیوں آگے نہ بڑھا سکے؟ کیوں استعمار سے آزاد ملک کے احوال میں کوئی ایسا سیاسی فلسفہ تشکیل نہیں دیا جاسکا جو ’مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش‘ کی بحث کا فطری ارتقا بھی ہوتا اور نئے احوال میں رہ نمائی کا ذریعہ بھی بنتا۔^۳

سید مودودیؒ نے مغربی جمہوریت کو اسلام کے نظام شورایت سے متصادم قرار دیا تھا۔ اسلامی ریاست ”نہ تو مغربی اصطلاح کے مطابق مذہبی حکومت ہے اور نہ جمہوری حکومت، بلکہ وہ ان دونوں کے درمیان ایک الگ نوعیت کا نظام سیاست و تمدن ہے“۔^۴ مغربی اصطلاح میں مذہبی حکومت دو بنیادی تصورات کا مجموعہ ہے: ایک خدا کی بادشاہی، قانونی حاکمیت کے معنی میں۔ دوسرے پادریوں اور مذہبی پیشواؤں کا ایک طبقہ، جو خدا کا نمائندہ اور ترجمان بن کر خدا کی

اس بادشاہی کو قانونی اور سیاسی حیثیت سے عملاً نافذ کرے۔ مولانا مودودیؒ نے مغربی جمہوریت کو بھی دو تصورات کا مجموعہ قرار دیا تھا:

۱۔ عوام کی قانونی اور سیاسی حاکمیت، جو عوام کی اکثریت، یا ان کے منتخب کیے ہوئے نمائندوں کی اکثریت کے ذریعے عملاً ظہور میں آئے۔

۲۔ ریاست کا انتظام کرنے والی حکومت کا عوام کی آزادانہ خواہش سے بننا اور بدل سکرنا۔
سید مودودیؒ نے مغربی جمہوریت کے قانونی حاکمیت کے تصور کو تبدیل کر کے اللہ کے لیے خاص کیا اور سیاسی حاکمیت کو خلافت قرار دے کر اسے ریاست کے عام مسلمان باشندوں کے حوالے کر دیا۔ اس طرح اسلامی ریاست کو مغربی اصطلاح کے مطابق جمہوریت قرار دینے کو سید مودودیؒ نے غلط قرار دیا۔^{۱۰}

جماعت اسلامی ہند نے بدلتے ہوئے حالات کا ادراک کیا۔ ہندستان میں رائج جمہوریت کی حمایت و تقویت، ملکی انتخابات میں شرکت کا جواز، انتظامی اداروں میں ملازمت کا حصول، سیکولر سیاسی افراد اور جماعتوں سے ارتباط و تعاون اور سیاسی نظام میں مسلمانوں کی حصہ داری کے لیے اس کے فیصلے اور کل ہند ویلفیئر پارٹی کی تشکیل وغیرہ ایسے اقدامات ہیں، جن کا فیصلہ جماعت اسلامی ہند نے طویل مشاورت اور اجتماعی اجتہاد کے بعد کیا، مگر اس کی تائید میں اسلامی لٹریچر کی تیاری کا کام ابھی باقی ہے۔ یاد رہے کہ مولانا مودودیؒ کی تحریریں ان فیصلوں کی تائید کرتی نظر نہیں آتیں۔

عالم عرب کی طاقت ور اسلامی تحریک اخوان المسلمون ۱۹۲۸ء میں قائم ہوئی۔ سید قطب اس کے نظریہ ساز قرار پائے۔ ۱۹۵۳ء میں وہ اخوان میں شامل ہوئے اور اس کے ترجمان الاخوان المسلمون کے مدیر مقرر ہوئے۔ آگے چل کر وہ مکتب الارشاد (مجلس عاملہ) کے رکن بنے۔ انھوں نے اپنے مؤثر اسلوب میں عالم عرب کے حالات پر اسلامی رہنمائی کا فریضہ ادا کرنا شروع کیا۔ جنوری ۱۹۶۴ء میں ان کی معرکہ آرا تصنیف معالم فی الطريق منظر عام پر آئی۔^{۱۱} اس کتاب نے یہ بحث زور شور سے اٹھائی کہ آج پوری دنیا جہالت و جاہلیت میں ڈوبی ہوئی ہے۔ اس جاہلیت کی بنیاد ہے اللہ کے اقتدار اعلیٰ پر دست درازی اور حاکمیت الہ سے بغاوت۔^{۱۲} تمام عرب اور مسلم حکومتیں اس جہالت و جاہلیت کو فروغ دے رہی ہیں۔ اس لیے سید قطب نے کہا کہ ”آج

احیاء اسلام کا آغاز اس ہر اول دستے سے ہوگا، جو اس کارِ عظیم کا عزم مصمم لے کر اٹھے اور پھر مسلسل منزل کی طرف پیش قدمی کرتا چلا جائے اور جاہلیت کے اس بے کراں سمندر کو چیرتا ہوا آگے کی جانب رواں دواں رہے۔^{۱۳} یہی کتاب ۱۹۶۶ء میں فاضل مصنف کی شہادت کا سبب قرار دی گئی۔^{۱۴}

مصر اور پورے عالم عرب میں جبر و ظلم کی ایک طویل تاریخ سے گزر کر اخوان المسلمون کے جاں نثاروں نے دعوت و اقامت دین کا فریضہ انجام دیا۔ ان کے متعدد درہ نماؤں کو تختہ دار پر چڑھا دیا گیا۔ تزکیہ و شہادت کے اس پورے سفر میں سید قطب شہیدؒ کی تحریریں ہی مرکز توجہ رہی ہیں۔ دوسرے اخوان مصنفین نے بلاشبہ دعوت و تربیت کے لیے بے شمار موضوعات پر اپنی یادگار تخلیقات پیش کیں، لیکن ان کی حیثیت تفہیم و تشریح سے زیادہ نہ تھی۔ البتہ دوسرے مرشد عام جناب حسن بن اسماعیل الہضیبیؒ (۱۸۹۱ء-۱۹۷۳ء) کو اس سے مستثنیٰ قرار دیا جاسکتا ہے۔ ۱۷/۱ اکتوبر ۱۹۵۱ء کو وہ مرشد عام منتخب ہوئے۔ انھوں نے مارچ ۱۹۶۴ء تک مصری عدالتوں میں وکالت کرنے کے بعد ۲۷ برس جج کے فرائض بھی انجام دیے تھے۔ قانونی و فقہی امور میں مہارت رکھنے کے علاوہ اخوان کے اندر ایک گروہ کی فکر میں پرورش پانے والی انتہا پسندی پر وہ سخت مضطرب تھے۔ انھوں نے پوری کوشش کی کہ اخوان ملکی قوانین کی پابندی کریں اور حکومت سے کوئی تصادم مول نہ لیں۔ اس مقصد کے لیے انھوں نے اپنی معروف زمانہ تصنیف دعاۃ لاقضاۃ تصنیف کی۔^{۱۵}

حسن الہضیبی نے اس کتاب میں یہ نقطہ نظر پیش کیا کہ قرآن و سنت کی روشنی میں داعیانِ دین کی یہ ذمہ داری تو ہے کہ وہ اصلاح و احیاء کے لیے کماحقہ جدوجہد کریں، تاہم افراد و اقوام کو زبردستی اور قوت کے استعمال سے راہ ہدایت پر لانا ان کی ذمہ داری نہیں ہے، اور غیر مسلم معاشرے میں رہنے والے مسلمان اپنی نیت اور عمل کے مطابق اللہ کے سامنے جواب دہ ہیں۔ ان کے خلاف تکفیر و تفسیق کی مہم چلانا، دعوت دین کے دائرے سے باہر ہے۔

شیخ الہضیبیؒ کی اس صراحت و وضاحت کے باوجود انتہا پسندوں جو انوں نے جماعة التکفیر والہجرۃ کے نام سے ایک الگ گروپ تشکیل دے دیا۔^{۱۶} اور مصر میں فکری انتہا پسندی کی ایک نئی لہر آگئی۔ اس حقیقت کا اعتراف کیے بغیر چارہ نہیں ہے کہ آج بھی سید قطب شہیدؒ کی تحریریں عالم عرب میں سب سے زیادہ مقبول ہیں۔ اخوان مفکرین بدلے ہوئے حالات میں

نئی تعبیر و تشریح کی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔

تکثیری معاشرہ اور اس کے تقاضے

تکثیریت کی ایک تفہیم، جو موجودہ دور میں رائج ہے، اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ: ”سارے مذاہب اور متنوع افکار کو بیک وقت درست مانا جائے اور کسی عقیدہ، فلسفہ یا فکر پر تنقید نہ کی جائے“۔ گویا معاشرے میں موجود سارے افکار اور فلسفے اپنی انفرادیت کھو کر ایک نئی فکر اور فلسفہ تشکیل دیں، جس میں سب کی سوچ، ذہنیت اور رنگ و آہنگ شامل ہو۔ اس فکر کے مطابق کسی ایک فکر یا عقیدے کی صداقت پر اصرار باقی نہیں رہتا۔

تکثیری معاشرے کا ایک دوسرا فہم یہ ہے کہ: ”مختلف و متضادم افکار و نظریات اور عقائد کو یکساں آزادی حاصل ہو۔ کسی فکر کو صحیح سمجھنے والا آزاد ہو کہ اس فکر کی معقولیت اور نافعیت کا اثبات کر سکے اور علمی انداز اور شائستہ اسلوب میں دوسرے نظریے پر تنقید و جرح کر سکے۔ گویا اپنے نظریے پر قائم رہتے ہوئے، دوسرے نظریات سے مباحثہ و مجادلہ کی راہ اختیار کرے۔ اس طرح تمام افکار و مذاہب کے لیے مکالمہ کی راہ ہموار ہوتی ہے۔“

موجودہ دور کے مسلم مفکرین نے تکثیریت کے آخر الذکر فہم کو تسلیم کیا ہے۔ انھوں نے اسلام کی حقانیت پر ایمان رکھنے کے ساتھ دوسرے مذاہب و نظریات کی آزادی و حقوق کو خوش دلی سے مانا ہے اور مکالمہ اور اشتراک و تعاون کے لیے راہیں استوار کیں ہیں۔

ڈاکٹر فضل الرحمن فریدی (۱۹۳۲ء-۲۰۱۱ء) نے غیر اسلامی قوتوں سے اشتراک کی حدود کار پر مفصل گفتگو کی ہے۔ ان کے خیال میں مکہ میں حلف الفضول کا تاریخی معاہدہ، جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت سے قبل ایک تکثیری معاشرے کے اندر بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا، مسلمانوں کے لیے بہترین نمونہ ہے۔ یہ ایک معاہدہ تھا، جس میں مشرکین، ملحدین اور موحدین سب نے متحد ہو کر برائی اور ناانصافی کے خلاف مشترکہ جدوجہد کرنے کا عہد باندھا تھا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم عہد رسالت میں بھی اس معاہدے کی بڑی قدر کرتے تھے اور ایک روایت کے مطابق آپؐ نے فرمایا تھا کہ: ”اگر اس طرح کا کوئی معاہدہ دوبارہ ہو تو آپؐ اس میں شریک ہونا پسند کریں گے۔“ ڈاکٹر فریدی کہتے ہیں: ”اس قسم کی کاوشوں میں تعاون مسلمانوں کا اخلاقی فریضہ

ہے۔ اپنے تعاون کو اس شرط پر مشروط کرنا کہ اس طرح کی کوشش جامع اور ہمہ جہت ہو اور معاشرے کی بنیادی برائیوں کا انسداد اس میں شامل ہو، صحیح نہیں ہے۔“ ۱۷

حزب النہضۃ تیونس کے رہنما راشد الغنوشی (پ: ۱۹۴۱ء) اسلام کے نظام عدل اجتماعی کے قیام کے لیے شراکت اقتدار کو ناگزیر تصور کرتے ہیں، خواہ وہ معاشرہ مسلم ہو یا غیر مسلم۔ اس شراکت کے لیے صرف یہ ضروری نہیں ہے کہ شریعت اسلامیہ کی تنفیذ اس کا مطمح نظر ہو، بلکہ ملک میں آمریت کو روکنے کے لیے بھی یہ شراکت کی جاسکتی ہے۔ اسی طرح آزادی، ترقی، سماجی استحکام، شہری آزادیوں کے حصول، حقوق انسانی کے احترام، سیاسی تکثیریت کی پاس داری، عدلیہ کی آزادی کی بحالی، آزادی اظہارِ رائے، اسلامی اوقاف، مساجد و مدارس کے تحفظ وغیرہ، وسیع تر مقاصد میں غیر مسلموں کی شراکت کے ساتھ بے دین اور ملحد قوتوں کے ساتھ حصہ داری نبھائی جاسکتی ہے۔ ۱۸

غیر اسلامی حکومتوں میں شراکت کے ثبوت کے لیے راشد الغنوشی، سورہ یوسف سے استدلال کرتے ہیں، جس میں حضرت یوسفؑ نے شاہ مصر سے کہا تھا کہ ملک کے خزانے میرے سپرد کر دیجیے، کیونکہ میں ان کی حفاظت کر سکتا ہوں: قَالَ اجْعَلْنِي عَلَى خَزَائِنِ الْأَرْضِ ۚ إِنِّي حَفِيظٌ عَلَيْهَا (یوسف ۵۵:۱۲)۔ اس کے بعد قرآن حضرت یوسفؑ کے کامل تسلط اور ہمہ گیر اقتدار کو اس طرح بیان کرتا ہے:

وَكَذَلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ ۖ يَتَّبِعُوهُ مِنْهَا حَيْثُ شَاءَ ۖ نُصِيبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَشَاءُ وَلَا نُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ۝ (یوسف ۵۶:۱۲) اس طرح ہم نے اس سرزمین میں یوسفؑ کے لیے اقتدار کی راہ ہموار کی۔ وہ مختار تھا کہ جہاں چاہے اپنی جگہ بنائے۔ ہم اپنی رحمت سے جس کو چاہتے ہیں نوازتے ہیں۔ نیک لوگوں کا اجر ہمارے یہاں مارا نہیں جاتا۔

حضرت یوسفؑ کا حوالہ دے کر راشد الغنوشی نے لکھا کہ پیغمبر وقت کو جیل کی سزا برداشت کرنا پڑی، سوتیلے بھائیوں کے نارد اسلوک کو برداشت کرنا پڑا، مگر جب مناسب وقت آیا تو شاہ مصر کے دربار میں سب سے اہم ذمہ داری بڑھ کر قبول کی، تاکہ قحط اور خشک سالی میں مبتلا عوام کو راحت پہنچا سکیں۔ انھوں نے یہ انتظار نہ کیا کہ مصری عوام دعوت توحید کو قبول کر لیں اور شرک و کفر کو

چھوڑ کر مؤحد بن جائیں، تاکہ ایک اسلامی ریاست کی تشکیل ہو سکے۔^{۱۹}

راشد الغنوشی نے سیرت طیبہ سے ہجرت حبشہ کی مثال بھی پیش کی ہے، جو بڑی دل چسپ ہے۔ حبشہ کا بادشاہ عیسائی تھا، مگر انصاف پسند تھا۔ مکہ میں جب حالات ناقابل برداشت حد تک پہنچ گئے تو رجب ۴۵ عام الفیل ۵ بنوی میں اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے اصحاب سے فرمایا:

لَوْ خَرَجْتُمْ إِلَى أَرْضِ الْحَبَشَةِ، فَإِنَّ بِهَا مَلِكًا لَا يُظْلَمُ عِنْدَهُ أَحَدٌ، وَهِيَ أَرْضُ صَدِيقٍ حَتَّى يَجْعَلَ اللَّهُ لَكُمْ فَرَجًا مِمَّا أَنتُمْ^{۲۰} اچھا ہو کہ تم لوگ نکل کر حبشہ چلے جاؤ۔ وہاں ایک ایسا بادشاہ ہے جس کے ہاں کسی پر ظلم نہیں ہوتا اور وہ بھلائی کی سر زمین ہے۔ جب تک اللہ تمہاری اس مصیبت کو رفع کرنے کی کوئی صورت پیدا کرے، تم لوگ وہاں ٹھہرے رہو۔

اس ارشاد کی بنا پر ۱۱ مرد اور ۴ خواتین نے حبشہ کی راہ لی۔ پھر چند مہینوں کے اندر مزید لوگوں نے ہجرت کی، یہاں تک کہ ۸۳ مرد، ۱۱ عورتیں اور ۷ غیر قریشی مسلمان حبشہ میں جمع ہو گئے اور مکہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف ۴۰ آدمی رہ گئے تھے۔^{۲۱} صحابہ و صحابیات کی حبشہ آمد کا نتیجہ یہ ہوا کہ بادشاہ مسلمان ہو گیا، اگرچہ اس نے اسلامی شریعت ملک میں نافذ نہ کی۔ اسے خدشہ ہوا کہ اسلام قبول کرنے کا اعلان ہوتے ہی اس کی سلطنت خطرے میں پڑ جائے گی اور مہاجرین کا تحفظ مشکل ہو جائے گا۔ جب شاہ حبشہ کا انتقال ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی غائبانہ نماز جنازہ ادا کی۔^{۲۲}

بھارت کے ممتاز عالم دین مولانا سلطان احمد اصلاحی^(۱۹۵۲ء-۲۰۱۶ء) نے اس موضوع کو آگے بڑھاتے ہوئے اپنی کتاب مسلمان اقلیتوں کا مطلوبہ کردار میں ہندوستانی مسلمانوں کے شرعی اور اسلامی کردار پر کھل کر گفتگو کی ہے۔ انھوں نے ملک و ملت کی تعمیر اور بھلائی کے کاموں میں شرکت کو ہر مسلمان کی دینی زندگی کا لازمی ایجنڈا قرار دیا ہے۔^{۲۳} انھوں نے مسلمانوں کو تاکید کی کہ ان کی اجتماعیت 'غیر متحارب اور غیر نزاعی' ہو۔ اس پر سخت نگاہ رکھی جائے کہ 'سیاسی و غیر سیاسی' کسی دائرے میں اس کا رنگ و آہنگ معاہدہ نہ ہونے پائے اور ان کی تمام تر دینی اور مذہبی جماعتوں کا کردار اصلاً دعوتی، رفاہی اور اصلاحی رہے۔^{۲۴} انھوں نے بھی حضرت یوسفؑ

اور شاہ حبشہ کے غمونوں سے استدلال کیا کہ غیر مسلم اکثریت کے درمیان کسی منصب کو قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں اور ضرورت کے تقاضے سے غیر دینی نظام حکومت کے ساتھ اشتراک و تعاون کی راہ عام مسلمان کے لیے درست اور صائب ہے۔^{۲۵} اس معاملے میں کلیدی مناصب ہوں یا غیر کلیدی مناصب، سب یکساں ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ: ”عدلیہ، انتظامیہ اور مقننہ کی چھوٹی بڑی ہر طرح کی ملازمت اور چھوٹا بڑا ہر طرح کا عہدہ و منصب مسلمان اقلیت کی یکساں ضرورت ہے۔“^{۲۶}

مولانا اصلاحیؒ ملک کی مقننہ، یعنی اس کی اسمبلی اور پارلیمنٹ اور اس کے واسطے سے حکومت اور وزارت میں مسلمان اقلیت کی مؤثر حصہ داری کے لیے انتخابات میں شرکت کو ضروری قرار دیتے ہیں اور قوم اور اجتماعیت کی حیثیت سے مسلمان امت کو ہوم ورک اور منصوبہ بندی کی تلقین کرتے ہیں۔ اسی طرح انتظامیہ و عدلیہ میں جگہ پانے کے لیے مقابلہ جاتی امتحانات میں شرکت کو ضروری تصور کرتے ہیں۔^{۲۷}

تکثیری معاشرے میں اسلام کی رہ نمائی سے متعلق یہ تخلیقات بہت اہم ہیں، مگر بہت سے سوالات ہنوز حل طلب ہیں۔ اس نئے فلسفے کی مکمل اسلامی تفہیم ابھی باقی ہے اور اس کے بطن سے جنم لینے والے اشکالات کا شافی جواب دینا اسلامی تحریکوں کا فوری مسئلہ ہے۔

حواشی و مراجع

- ۱- ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی، اسلامی نشاۃ ثانیہ کی راہ، مرکزی کتبہ اسلامی، دہلی، اکتوبر ۱۹۷۴ء، ص ۱۶۶
- ۲- بی الحولی، تحریک اور دعوت، اُردو ترجمہ، عبید اللہ فہد فلاحی، بیروت ۱۴۰۳ھ/ ۱۹۸۳ء، ص ۶۸
- ۳- حوالہ سابق، ص ۷۰ ۴- حوالہ سابق، ص ۳۳۹-۳۴۰ ۵- حوالہ سابق، ص ۴۰۴
- ۶- جدید تعلیم گاہوں سے دینی و تعلیمی اداروں کے اشتراک کی ناگزیریت کے لیے دیکھیے راقم کا مضمون ’بدلتے ہوئے حالات میں مدارس اسلامیہ کی ترجیحات‘، ماہنامہ تہذیب الاخلاق، علی گڑھ، مسلم یونیورسٹی، جلد، ۳۵، شمارہ ۴، ص ۳۶۔

۷- Post-Maududism کی اصطلاح حسن الامین نے اپنے پی ایچ ڈی مقالے میں استعمال کی ہے جو انھوں نے ۲۰۱۰ء میں امرس یونیورسٹی رورڈم، نیوزی لینڈ میں پیش کیا۔ راقم کی رائے ہے کہ ’ماجد اسلامیہ‘ یا ’ماجد مودودیت‘ کی اصطلاحات نے ابہام کے سوا کچھ بھی نہیں۔

ماہنامہ عالمی ترجمان القرآن، مئی ۲۰۱۷ء ۷۵ اسلامی تحریکات اور فکری ترجیحات

۸- سید سعادت اللہ حسینی، 'تحریک اسلامی اور فکری چیلنج'، ماہ نامہ عالمی ترجمان القرآن لاہور، دسمبر ۲۰۱۵ء، ص ۸۴۔ انھوں نے تحریک اسلامی کے حلقوں کو دعوت احتساب دی ہے۔ ان کے بقول دنیا کا مسئلہ یہ ہے کہ اس کے پاس کوئی وٹنگ کا تصور جہاں (ورلڈ ویو) نہیں ہے، جہاں سے کارآمد آئیڈیاز پیدا ہو سکیں۔ ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے پاس ورلڈ ویو نہیں ہیں، لیکن آئیڈیاز نہیں ہیں۔

۹- سید ابوالاعلیٰ مودودی، اسلامی ریاست، ترتیب: خورشید احمد، اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ، لاہور۔

۱۰- حوالہ سابق، ص ۳۸۰-۳۸۱۔ دوسری طرف ڈاکٹر فضل الرحمن فریدی نے جمہوریت کو اصلاً ملوکیت، ڈکٹیٹر شپ اور جبر و استحصال سے متضاد قرار دیا ہے۔ انھوں نے لکھا ہے کہ: "یہ موقف کہ جمہوریت فی نفسہ طاغوت ہے، حقیقت پر مبنی نہیں ہے۔ [جمہوری] نظام، عوام کے فیصلے اور اختیار سے مولانا مودودی کے الفاظ میں جمہوری خلافت بھی بن سکتا ہے۔" ملاحظہ کیجیے، فضل الرحمن فریدی، اقامت دین کا سفر، ہندوستانی تناظر میں، مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی، نومبر ۱۹۹۷ء، ص ۳۹

۱۱- سید، قطب، معارف الطریق، دار الشروق، بیروت ۱۹۶۸ء، ص ۱۲۸ (جادوہ منزل، مترجم: ظلیل احمد حامدی، ناشر، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور)۔ ۱۲- حوالہ سابق، ص ۹

۱۳- عبید اللہ فہد فلاحی اور محمد صلاح الدین عمری، سید قطب شہید: حیات و خدمات، منشورات، لاہور، ۱۹۹۹ء، صفحات ۳۰۰۔ سلیم منصور خالد، اسلام کی آواز، سید قطب شہید، منشورات، لاہور، ۲۰۱۵ء

۱۴- اخوان المسلمون کی تاریخ جاننے کے لیے مطالعہ کیجیے راقم کی کتاب: اخوان المسلمون: تزکیہ، ادب، شہادت، القلم پبلی کیشنز، سری نگر، ۲۰۱۱ء، صفحات: ۳۰۲۔ ۱۵- حوالہ سابق، ص ۱۰-۱۶

۱۶- الہضبی، حسن بن اسماعیل، دعاۃ لا قضاۃ قاہرہ، ۱۹۷۷ء، ص ۵۔ اردو ترجمہ: داعی کا منصب حقیقی، مترجم: گل زادہ شیر پاؤ، ناشر: ادارہ معارف اسلامی، منصورہ، لاہور، ۲۰۰۹ء۔

۱۷- ڈاکٹر فضل الرحمن فریدی، 'بکثیری معاشرہ اور ہمارا مطلوبہ رویہ' [ترجمانی: عرفان وحید]، ماہ نامہ رفیق منزل نئی دہلی، اکتوبر ۲۰۱۳ء، قسط پنجم، ص ۲۸۔ انھوں نے پرہیزگاری کے اس موبہم تصور پر تنقید کی ہے جس کے تحت مسلمانوں کا ایک طبقہ انسانوں کی تکالیف کے سبب باب کی چھوٹی کوششوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتا اور یہ سوچتا ہے کہ اگر اللہ پر ایمان نہ لانے کی بنیادی برائی کو ختم کر دیا جائے تو تمام انسانی مصائب خود بخود ختم ہو جائیں گے۔ ڈاکٹر فریدی کہتے ہیں: "شریعت کی یہ تعبیر یکسر غیر مطلوب ہے۔ یہ سوچ انفرادی و اجتماعی معاشرتی تبدیلی کے محرکات کے عدم فہم کی بھی چغلی کھاتی ہے۔" حوالہ سابق، ص ۲۹۔

۱۸- راشد الغنوشی، The Participation of a Islamist in a Non-Islamic Government،

لندن ۱۹۹۳ء، ص ۵۱، ۶۳۔ ۱۹- حوالہ سابق، ص ۶۵

ماہنامہ عالمی ترجمان القرآن، مئی ۲۰۱۷ء ۷۶ اسلامی تحریکات اور فکری ترجیحات

۲۰- ابن ہشام، سیرت النبیؐ، [تحقیق: محمد محی الدین عبد المجید]، دار الفکر، القاہرہ، ۱۹۳۷ء، الجزء الاول، ص ۳۴۳

۲۱- سید ابوالاعلیٰ مودودی، سیرت سرور عالم، ادارہ ترجمان القرآن لاہور، مرتبین: نعیم صدیقی، عبدالوکیل علوی، اشاعت سوم، دسمبر، ۱۹۸۰ء، جلد اول، ص ۷۰۵-۷۰۶۔

۲۲- راشد الغنوشی، حوالہ سابق، ص ۵۸

۲۳- سلطان احمد اصلاحی، 'مسلم اقلیتوں کا مطلوبہ کردار، فکر و آگہی، اعظم گڑھ، ۲۰۰۲ء، ص ۲۴۱-۲۴۱۔

۲۴- حوالہ سابق، ص ۲۵۱۰۲-۲۵۱۰۲-۲۵۱۰۲

۲۵- حوالہ سابق، ص ۱۳۰-۲۵۱۰۲-۲۵۱۰۲

۲۷- حوالہ سابق، ص ۱۵۰-۱۵۷، بشکری معاشرے میں مسلمانوں کے کردار پر ایک عالمانہ تحقیق معروف سیرت نگار پروفیسر محمد یاسین مظہر صدیقی نے سپر قلم کی ہے۔ مکی اسوۃ نبویؐ، مسلم اقلیتوں کے مسائل کا حل، اسلامک بک فاؤنڈیشن، نئی دہلی، اپریل ۲۰۰۵ء۔

قرآن، ہریت اور اجماع کی روشنی میں دستور جماعت اسلامی

معیار حق کون ہے؟

موتبہ: مولانا عبدالرحیم اشرف

تدوین: نوب عبدالحمی ابرو، بشکیل عثمانی، خلیل الرحمن چشتی

ملنے کے مقامات:

- مکتبہ دارالکتب السلفیہ، غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور۔ فون: 042-37351505
- مکتبہ معارف اسلامی، ڈی-۳۵، بلاک ۵، فیڈرل بی ایریا، کراچی۔ فون: 021-36349840
- خلیل الرحمن چشتی، مکان نمبر 644، مین روڈ، ای ایون، اسلام آباد۔ فون: 0331-5560900